اطہر ہاشمی

بیادِ مشفق خواجہ مرحوم

# سخن طراز بے سخن ہوا

ہم سوچ رہے ہیں کہ مشفق خواجہ ہوتے تو کیا لکھتے۔ ہر طرف ایسے گوناگوں موضوعات بکھرے پڑے ہیں کہ جس پر بھی خواجہ صاحب کا ہاتھ پڑ جاتا' وہ امر ہو جاتا۔ لیکن وہ تو ایک عرصہ سے کالم نگاری ترک کر چکے تھے۔ ان کے خیال میں یہ ایک شوقِ فضول اور ان کے لیے کارِ بیکاری تھا اور انہوں نے علمی کاموں میں خود کو اتنا مصروف کر رکھا تھا کہ کارِ بیکاری کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی شخص کام سے تھک کر دریچہ کھول کر تازہ ہوا میں سانس لیتا ہے یا ذہن کی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ دیر کے لیے بچوں کی شرارتوں سے محظوظ ہوتا ہے اور آج کل تفریحِ طبع کے لیے ٹی وی کا کوئی سنجیدہ پروگرام دیکھ لیتا ہے۔ ایسے ہی مشفق خواجہ کالم لکھ ڈالتے تھے جس سے ان کا ذہن تو تازہ ہو کر پھر دقیق کام کے لیے تیار ہو جاتا ہو گا لیکن ان کے کالم پڑھ کر بہت سوں کو آکسیجن کی کمی کا شکوہ ہوتا تھا۔

ہمیں اطمینان ہے کہ مشفق خواجہ ہمارا یہ کالم نہیں پڑھ سکیں گے' ورنہ ڈانٹ ڈپٹ کرتے کہ ہمارے شایانِ شان تو لکھا ہوتا۔ ایسا ممکن بھی تو نہیں۔ وہ کالم نگاری چھوڑ چکے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اردو کے سب سے اچھے کالم نگار تھے۔ عالم یہ ہو گیا تھا کہ بہت سے ادیب و شاعر شہرت حاصل کرنے کے لیے خواہش کرتے تھے کہ مشفق خواجہ ان پر کالم لکھ دیں۔ ایک دو کے بارے میں ہم نے بھی خواجہ صاحب سے کہا کہ ان پر کچھ ہو جائے لیکن ان کا جواب تھا کہ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں۔

خواجہ صاحب نے ہمیشہ سکہ بند ادیبوں اور شاعروں پر ہاتھ ڈالا اور ایسی ایسی نکتہ آفرینی کی کہ شاید شکار خود قائل ہو جاتا ہو۔ کم سے کم پڑھنے والے تو قائل ہو ہی جاتے تھے کہ جس کو وہ آسمانِ ادب کا شمس و قمر سمجھتے رہے' وہ تو ٹمٹماتا ہوا دیا نکلا۔ ان کے جملوں میں غضب کی کاٹ تھی کہ مجروح کو پتہ بھی نہ چلتا تھا' تلوار کہاں چل گئی۔ سنا ہے ماہر تیغ زن ایسے ہی ہوتے تھے اور ایسی صفائی سے وار کرتے تھے کہ چند قدم چلنے کے بعد ہدف کو اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تو دو نیم ہو گیا اور پھر دھڑام سے گر پڑتا تھا۔ ایسے کئی اہداف مشفق خواجہ کی قلمی ''تیغ زنی'' سے منہ کے بل گرے۔

ابھی پچھلے دنوں ہی نظم کے شہنشاہ حضرت جوش ملیح آبادی کی نواسی نے مطالبہ کیا ہے کہ نانا ابا کا کلام نصاب میں شامل کیا جائے۔ یہ خبر پڑھ کر ہمیں بے ساختہ مشفق خواجہ یاد آئے کہ شاید ان کے اندر چھپا ہوا کالم نگار مچل اٹھے۔ ابھی پچھلے دنوں ہی تو ''امت'' میں ان کا ایک پرانا کالم جوش ملیح آبادی کے حوالے سے شائع ہوا تھا' جس میں خواجہ صاحب نے جوش ملیح آبادی کی زبان دانی کے بارے میں یہ تبصرہ کیا تھا کہ وہ تو اپنی محبوباؤں کو بھی الفاظ سے سنگسار کرتے تھے۔ ممکن ہے

نواسی کے اس مطالبہ پر وہ جوش صاحب کے کلام کا وہ نمونہ پیش کر دیتے جو صرف ''بالغوں'' کے لیے ہے۔نثر میں اس کا نمونہ ان کی ''یادوں کی برات'' میں وافر ہے۔پاکستان سے شائع ہونے والی کتاب میں تو کئی جگہ محض نقطوں سے مافی الضمیر چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن بھارت سے شائع ہونے والے نسخے میں تمام کوائف کھل کر سامنے آتے ہیں اور بقول جوش صاحب کے ہماری قوم بڑی شرمیلی ہے۔اس شرمیلی قوم کو جوش صاحب مل گئے تھے۔

خواجہ صاحب بڑوں ہی کے بخیے ادھیڑتے تھے۔ٹیلی فون پر ہم نے ان سے فرمائش کی کہ اب تو ضیاء الحق قاسمی بھی بڑے ہو چکے ہیں۔آپ نے انہیں نظر انداز کیا ہوا ہے۔کہنے لگے اس پر کچھ لکھ دیا تو سچ مچ بڑا ہو جائے گا' ویسے وہ قد آور تو ہے۔

خواجہ عبدالحئ المعروف مشفق خواجہ کو سب سے پہلے ''جسارت'' میں پڑھنا شروع کیا۔وہ ''سخن در سخن'' کے عنوان اور ''خامہ بگوش'' کے قلمی نام سے ادبی صفحہ پر کالم لکھتے تھے اور ایک کالم ''اندیشۂ شہر'' کے عنوان سے ادارتی صفحہ پر آتا تھا جو سیاسی ہوتا تھا۔لکھنے والا ''غریبِ شہر'' تھا۔عالم یہ تھا کہ ان کا کالم چھپنے سے پہلے نیوز ڈیسک پر بآواز بلند پڑھا جاتا تھا اور لوگ سب کام چھوڑ کر حظ اٹھاتے تھے۔ایک ایک جملہ پر داد ملتی تھی۔ادبی دنیا میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی کہ یہ خامہ بگوش ہے کون؟ پھر خود خواجہ صاحب نے اپنے کالموں میں یہ ظاہر کیا کہ وہ حمزہ فاروقی ہیں۔عرصہ تک یہ راز راز ہی رہا کہ یہ تیغ زن ہے کون؟

صلاح الدین صاحب ''جسارت'' سے گئے تو مشفق خواجہ بھی ان کے ساتھ گئے اور ''تکبیر'' میں لکھنا شروع کر دیا۔ہم نے رابطہ کیا تو ان کا جواب تھا کہ میں تو صلاح الدین کے لیے لکھتا ہوں اور پھر یہی ہوا کہ صلاح الدین صاحب کی شہادت کے بعد اردو کی صحافت ایک بہترین کالم نگار سے بھی محروم ہو گئی اور اب تو وہ محقق، وہ نقاد اور وہ شاعر بھی گیا:

تری گلی تک تو سب نے دیکھا، خبر نہیں پھر کدھر گیا وہ

عجیب بات ہے کہ جس کالم نگاری کی خواجہ صاحب کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی اور شاید بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ادب و صحافت میں ان کالموں ہی کی وجہ سے انہوں نے شہرت پائی۔ان کا تحقیقی کام یقیناً بڑے پائے کا ہے لیکن یہ ایک مخصوص طبقہ کے لیے ہے۔عوام کو اس سے کیا دلچسپی کہ مرزا واجد علی یاس یگانہ چنگیزی کی شاعری کیا ہے اور ایک ہزار ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ''جائزہ مخطوطات اردو'' کتنا دقیق کام ہے۔یہ کتابیں تو ہمارے ہاں صرف لائبریریوں کی زینت بننے کے لیے ہیں گو کہ خواجہ صاحب کا اصل کام ہی یہ ہے۔

وہ شاعر بھی تھے لیکن بطور شاعر کبھی اپنے آپ کو شہرت نہیں دی۔شاید اس لیے بھی کہ انہوں نے بڑے بڑے شاعروں کی کھنچائی کی۔اپنے آپ کو وہ کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتے ہوں گے۔

ان کے ملنے کے اوقات بھی مخصوص تھے اور ان میں بھی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ملنے والا جلدی سے جان چھوڑے تو وہ پھر کام میں مصروف ہو جائیں۔ان کے ہر طرف کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا اور وہ ایک غواص کی طرح موتی تلاش کرتے رہتے تھے حالانکہ وہ خود ایک ایسی منہ بند سیپ تھے جس میں ایک نہیں کی درنایاب پوشیدہ تھے۔مشفق خواجہ کے کالم نگاری ترک کر دینے سے کئی کالم نگاروں کے قد اونچے ہو گئے لیکن وہ چاشنی، وہ کاٹ، وہ ادبی گرفت کہیں اور نظر نہیں آتی۔ بیشتر کالم ''تیلی رے تیلی، تیرے سر پہ کولہو'' کی مثال ہیں کہ محض الفاظ کا بوجھ ہے اور کچھ نہیں۔ان کی وفات نے یقیناً ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا ہے۔

ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ ان کے کالموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس سے اچھے کالموں کے متلاشی اپنی پیاس بجھا سکیں گے۔لیکن ہمیں مرحوم سے یہ شکوہ ہی رہے گا کے ان کے پیمانے میں بہت کچھ تھا اور انہوں نے ابھی چھلکایا بھی نہ تھا۔ہمیں اس پر فخر ہے کہ انہوں نے ایک بار پتہ نہیں کس عالم میں ہماری حوصلہ افزائی کی لیکن اس کے بعد سے ہی ہم کچھ لکھتے ہوئے گھبرانے لگے تھے۔کالموں کے ذریعہ ان سے تعارف اور ٹیلی فون پر کبھی کبھی گفتگو تو تھی لیکن بالمصافحہ ملاقات کراچی یونیورسٹی میں عزیزم محمود فاروقی کی بہن کی شادی میں ہوئی۔محمود فاروقی اس زمانے میں کراچی یونیورسٹی کے پی آر او تھے۔اس تقریب میں انہوں نے مشفق خواجہ کو بھی مدعو کیا تھا۔تقریب کے بعد ہم کو طاہر مسعود چائے پلانے کے لیے ''مسعود کدہ'' پر لے گئے اور وہاں مشفق خواجہ سے مزید گفتگو رہی۔

مرحوم کے آباواجداد کشمیری تھے۔اسی نسبت سے وہ خواجہ ہی نہیں ادبی دنیا میں خواجہ جوانگان تھے۔۱۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔۱۹۵۲ء میں میٹرک کیا اور خیال ہیکہ اس کے بعد ایف اے اور بی اے بھی کر لیا ہوگا کیونکہ اس بات کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۸ء میں کراچی یونیورسٹی سے اردو ابت میں ایم اے بھی کیا۔اس سے ایک اور حقیقت ثابت ہوئی ہے کہ میٹرک سے ایم اے تک وہ درمیان میں کہیں فیل ہوئے۔ابن انشاء کے ساتھ مل کر انہوں نے کراچی یونیورسٹی کا پہلا میگزین بھی نکالا۔ممکن ہے یہ کراچی یونیورسٹی کے ریکارڈ میں ہو۔جامعہ کراچی کو ''پالنا'' یو نہیں کہا جا سکتا اور پوت کے پاؤں والا محاورہ یہاں نہیں چلے گا لیکن ان کی ادبی صلاحیتوں کو جلا یہیں سے ملی۔ان کے والد عبدالوحید خواجہ بھی اسلامیات او راقبالیات کے اسکالر تھے۔ان کا اثر بھی خواجہ صاحب نے قبول کیا ہوگا اور بعد میں اقبالیات پر بھی موثر کام کیا۔پھر بابائے اردو مولوی عبدالحق کی صحبت حاصل رہی اور ان ہی کے اصرار پر مشفق خواجہ انجمن ترقی اردو سے وابستہ ہو گئے۔یہاں وہ ۱۹۷۳ء تک اردو کو ترقی دیتے رہے۔لیکن بعد میں تو وہ خود انجمن بن گئے تھے۔اور یہ ''انجمن'' وہ والی نہیں تھی جس سے ڈاکٹر یونس بٹ اپنے کالم میں اٹکھیلیاں کرتے ہیں۔

〈بقیہ صفحہ ۴۷ پر〉